اینجانب

ہوئی کیا دھوم کی ہے فصل خریف
بندگی ۔ کورنش مزاج شریف

دیکھئے حضرت اینجانب کی پیشینگوئی ۔ کہ زمانہ ناہنجار کی الٹ پھیر سے اُلٹی اُلٹی سنبلا نے وہ زور باندھا کہ ابر و باد و مہ و خورشید و فلک سب اُلٹ ہوگئے ؎

ہم گئے بات اُلٹی یار اُلٹا * بھلا پھر کیوں نہ سب کار اُلٹا

کی چیستاں ہر ایک کے دہن بے لجام پر سوجو ہوگئی ۔ وہ جو کہتے ہیں جتنے مُنہ اتنی باتیں مگر یہ تو کوئی پوچھے اس الٹ پھیر میں چرخ کی گرہ کا کیا خرچ ہوا ۔ کہ بعض بیچارے چنے کے ساتھ گھن کی طرح سے پس پسا کے رائی کائی ہوگئے ۔ گر غور کیجئے تو ایسے خشک مہینے دماغ تریف کو جامنوں کی ہنڈیا کی طرح ہلا مارتے ہیں ۔ ترت کی تازی سلی ہوئی جوتیاں بھی تو اُنکا کچھ نہیں کر سکتیں ۔ جو زبردستی کسی دقیانوسی تیراندازی نے سر کردی تھیں ۔ اسلئے کہ کوئی بھلے مانس محرم کی مجلس میں بغل میں مار چنپت ہوگئے ۔ ننگ سرے تو محرم کی حرمت نے کر دیا تھا ۔ ننگ پیرے محرم کی مجلس نے کر دیا ۔ اب خدا کا کیا کرنا ہوتا ہے کہ چلتے پھرتے وہی تیر ازمایاں کسی ہولی کے بھڑوے کے گلے کا ہار بنی ہوئی دیکھنے میں آئیں ۔ جیسی جھڑی پر مری جھڑی کی سواری کا عقدہ لاینحل ہولی ہی کے مبارک دنوں میں کھلتا چندھتا نظر آتا ہے ۔ تو ہولی کی چہل مٹانے کو بے رُتی بارش و کہر بھی آپنے دیکھی ۔ دلوالیوں کی دلی ہی میں ہولی سے کئی دن پہلے بی گرمی جان نے اپنا وہ تابیہ بٹھا رکھا تھا کہ توبہ ہی بھلی ۔ اب زیچ کے گڑگڑاتے جاڑے کی طرح منہ سے بھاپ نکلنے لگی ۔ اینجانب تو منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالتے ۔ کہ کسی کو بُرے لگیں ۔ مگر گرگٹ بلا کے کہتے ہیں سردی نے سنبھالا لیا ہے ۔ ہاں ابھی اور سنبھلے گی کہ ؎

ایک پلٹا ابھی اور بھی دنیا لیگی

اینجانب اسکے سنبھلے سے سمجھ چکے ہیں ۔ کہ فصل سنبھل گئی ۔ آفتاب عالمتاب کی تمازت دھوپ کی تیزی یکلخت بھولی بسری ہوگئی ۔ ہیکڑ جاڑا پھر الٹ آیا تھا مگر لڑکے کی دھوپ نے پھر کچھ گرماگرمی دکھائی ۔ دیکھئے لیکن اسکو کوئی کیا کرے کہ بھونچالوں کی ہلچل سے مکانات کوہ متحرک بن رہے ہیں ۔ اور آجکل میں آیا کا ڈھنگ کوہ بندھیاچل تک نظر آتا ہے ۔

شملہ میں بھی سپاٹو بنکے چج کرنے چلا تھا ۔ مگر بڑی مضبوطی سے زمین کی طنابوں (ریل کی پٹڑیوں) سے کس کسا کے رکھا ہے ۔ کیا ناظرین نے نہیں دیکھا ۔ آنکھیں تھیں کس مرض کی دوا ۔ حضرت اینجانب کی عملداری میں ڈاکٹری دیکھ بھال کے ہوتے ہوئے یہ بدپرہیزیاں بھلا بتلائیے تو سہی ؎

تین دن مسہل کے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

ان دنوں گرمی چوہے کا بل ڈھونڈ رہی ہے ۔ کہیں درجۂ معلّٰی کی چھت پر جا چڑھی تو نمونیہ کی عوض زنانوں کو سکتہ کا ظن غالب ہو جائے گا ۔ لوٹ دیکھو نا ہندوستان کی قسمت نے بھی چلتے پھرتے پلٹا کھایا ہے ۔ مگر ذرا جل جلاتی دھوپ نکلنے دو ۔ ساری تری خشکی مانگ پسارے سسک سسکا رفوچکر ہو جائے تو ہمے کہنا ۔ غلہ غائب غلہ نہ ہوگا تو ٹکے دھڑی ضرور ہو جائیگا ۔ بنگال کنگالی مشرق سے مغرب تک آداب ۔ مارواڑی کھلاڑی شمال سے جنوب تک سلام ۔ کوہ ہمالیہ سے اونچی تعظیم اور بحیرہ اسود سے گہری مزاج پرسی نہ کرنے لگیں تو اینجانب کا بایاں پوچھیگا ۔ کہ اینجانب بھی بیوپاری کی ذریات میں داخل ہیں ۔ اگر کوئی ہمارا جھاڑ لائے تو ہمکو غبار اثاث البیت سے مبرہ و منزہ پائے ۔ گو آجکل کوٹھے ہی میں برکت ہی مگر کال پڑتے ہی اسکی بھی خاک اُڑ گئی ۔ اب تو بھوکوں نے ننگوں کو بھی لوٹنا شروع کر دیا ہے ۔ ہندوستان بھر میں چوری چکاری کی وہ گلخپ مچی جارہی ہے کہ رہے نام نانیا بھیل کا ۔ چام چوری تک سے بھی درگزر نہیں ۔ انہوں نے غریبوں کے کوٹھی کٹھلوں کو بڑی خالہ جان کا گھر سمجھ رکھا ہے ۔ پاؤں کو ہاتھ لگانا تو ایک آدھ کا کام ہے ۔ مگر ہاتھ گلے کو ہاتھ سے مس کرنے والے بہت ہوگئے ۔ کچھ ہندوؤں کا عقیدہ ہے ۔ کہ مس کرنے میں عجیب تاثیر ہوتی ہے سنا نہیں کہ لوہا پارس سے مس ہوتے ہی سونا ہو جاتا ہے ۔ خدا نے اس لوٹ سے تو لوٹ پیٹ کے بچایا ۔ اگر زندگی ہے تو سستے سمے کی کھائی کے موت سے بچ جائینگے ۔ اب تو ناجان کے وقت کے گزی گاڑھے کی بھی پرانی لنگوٹی میں پھاگ کھیل رہے ہیں ۔ اگر یہ لنگوٹی بھی غرقی ہو جائے تو بلا سے ۔ ہیزار کی نوک سے ۔ زبان یابس البیان سے ہی کہتے پھرینگے ۔ ننگا کھڑا اجاڑ میں کوئی ہے کپڑے لے ۔ مگر یہ خوشی کا مقام ہے ۔ حضرت غالب مرحوم کہہ مرے ہیں ؎

نہ لٹتا دن کو یوں میں رات کو کیوں بیخبر سوتا * رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یاران ہمہ قالب

ساقی نامہ ہولی

پیالے ساقی آرے ساقی + رنگ کا مٹکا لارے ساقی
پیرے بھیجے بھائے ساقی + آج تو ہولی گائے ساقی
ہولی آئی سانگ بناکر + پی لے ساقی بھنگ بناکر
رنگ میں ساقی رنگ دو کپڑے + گلال کے بھر دے ساقی چھکڑے
رنگ میں ساقی رنگ دے پگڑی + عبیر کی رکھ دے لاکر گٹھڑی
ہولی آئی مفت پلادے + دختِ رز کے گلے ملادے
آیا مہینا پھاگن کا + دور ہوا پھر جوبن کا
پیارے ساقی ہولی آئی + کوئل بھی ہے جوبن لائی
سرسوں پھولی آئی بہار + رنڈیوں نے ہے کیا سنگار
رندے ساقی پھرتے پھراتے + آئے اس جا گاتے بجاتے
ہونی تھی جو ہونی ہولی + کھاینگے اب تجھ سے ہولی
دیکر جلدی سفیری ساقی + وسکی دے اور بیری ساقی
رندے رم اور بلیک ساقی + آج پینگے غٹ غٹ ساقی
بھول نہ اب جی بھول پلائے + مفت نہ دے مول پلادے
ورنہ رندے بگڑیں گے + سو بچہ کو تیری پکڑیں گے
تجھ کو ناچ نچائیں گے + ہولی کا بھڑوا بنائیں گے
دیکھینگے نے بھالیں گے + ہار گلے میں ڈالیں گے
ساقی سمجھنا پھولوں کا + ہار کو سوکھے جوتوں کا
دیر نہ کر اب جلدی آکر + راضی کردے سب کو بلاکر
پیکر خیر منائیں ساقی + ٹھمری ہولی گائیں ساقی
جلسہ پھر اک تجکو دکھائیں + جس میں عمدہ حشمت گائیں
خورشید بھرتپور والی تنی + گائیں شب پر بیک دوالی
محفل میں مرزا والی آئے + ادھا متھرا والی گائے
نتھو بھرتپور والی آئے + ننی دلی والی گائے
جھبی ہنیا منی اختر + ہولی گائیں اس جا آکر
رادھا درگا ہیرا آکر + خوش کریں سیدی الو گاکر
گنگا جھنتوں سکھو گائیں + باندی دانی باشا آئیں
مجدی بریلی والی آئے + مختار علی گڑھ والی گائے
بجلی عیدن پیاری آئیں + آنو حلو وحیدن گائیں
شب بھر عیش منائیں ساقی + صبح گھر کو جائیں ساقی
ساقی نے یہ باتیں سنکر + سامنے رکھا گیلن لاکر
رندے بیٹھے لیکر پیالی + دم میں گیلن کردیا خالی
گائیں ہولی لے لے تانیں + ڈھلی لیکر میری جو مانیں
ہولی کیلئے پھاگ منایا + ساقی کو بھی خوب رجھایا
خالی غولی تانیں بناکر + رندے اٹھے گانا گاکر
بوتل توڑی ساغر پھوڑا + بھان متی نے کنبا جوڑا
دو ندمچاکر ہوئے ففرو + میکدے میں آکر بولا آلو

راقم بیان متھرادی
بقلم ظریف الزماں کوسوی

فصل گل ہے زاہدوں کو غم ہے میکش شاد ہیں
مسجدیں سونی پڑی ہیں بھٹیاں آباد ہیں

مسٹر دہلی پنچ بہادر۔ رنگین آداب گلابی کورنش۔ بسنتی تسلیم۔ محرمی سلام عرض ہے یقین ہے کہ باب اجابت تک پہونچ جائیگا۔ کہئے تو بھی کہ یہ بیج میل القاب کیسا۔ جی سُن لیجئے۔ ہولی اور محرم دو نوال بچے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ کہئے کچھ آیا سمجھ کے بیچ ہیں۔ جاڑے گئے گرمیوں کا پیش خیمہ آرہا ہے۔ رنگین مزاج چاندری بالا کے گرنے ہوئے بار منگے رات تک سرگشت کرینگے۔ ارے میاں جاؤ بھی تمہیں بری تاک رہتی ہے بی حضرت۔ ہم ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں۔ ہمارا قلم جب اٹھتا ہے۔ شاہدان بازاری کی جو فروش گندم نما صورت پر ہی اٹھتا ہے۔ اچھا کوئی نئی خبر سناڈالو۔ بہت بہتر ہے۔ دیکھئے کیسی تازہ بتازہ نو بنو خبر سناتا ہوں کہ کانوں میں رس ٹپکے زبان دعائیں دے۔ لب چٹخارے بھریں۔ دل پھدک کر ساقی میںڈک بن جائے۔ سن لیجئے حضرت ذبیح کا شعر ہے

آبرو بہ بانی فرمایش سے جب ہونے لگا
بھئے پانی پت میں گردی گھر کا چھپر رکھدیا

ہائیں۔ یہ تو بڑا اناشعر ہے۔ جی ہاں یہ تو بیانا گر اسکا ذائقہ ہر وقت نیا

معلوم ہوتا ہے۔ سنیئے۔ ایک طوائف مخملی بدن۔ چھپکلی شکل چھریرا بدن
خورشید رو بیت انکلابو۔ کے ایک دوست سراپا مغز بے پوست۔ لک حبش
کے باشندوں سے یگانگت رکھنے والے ہیں۔ انکی طبیعت ایک میرٹھی
صابون کی زیب و زینت پر آگئی جسکی شکل و صورت کچھ ایسی دلکو بھا گئی
کہ حضرت نے پہلی سے دل چھڑا کر اودھر جا پھنسایا۔ آپ جانتے ہیں۔
رقابت تو بری ستے ہوتی ہے بی صاحبہ رات کے بارہ بجے میرٹھ والی
طوائف کے مکان کے زینے پر اپنے عیار یار کے انتظار میں جا بیٹھیں۔
قریب ایک بجے کے جو وہ حضرت سیڑھیاں گنتے ہوئے برآمد ہوئے۔ تو
بی صاحبہ بلائے بیدرماں بنکر چمٹ گئیں۔ انہوں نے پہلے خوب صفائی
کے ہاتھ دکھائے آخر بی صاحبہ اوندھے منہ گر کر گھٹنوں کو سہلاتی بیرنگ
نامراد گھر واپس آئیں۔ دوسرے دن تانگا تانگا چھوڑ لینڈو پر چڑھ کمپنی باغ
کے صدقے ہونے جو گئیں تو نیا گل پھولا کہ خار حسرت و پشیمانی کی نشانی
میرٹھ والیاں بھی بانسوں کے چھتے کے قریب مل گئیں سنتے ہیں کہ دونوں
میں خوب پاپوش کاری ہوئی۔ لیکن میرٹھ والیوں کا وار زبردست رہا۔
اور یہ خون جگر کھاتی آنسو بہاتی گھر آئیں۔ افسوس یار کا یار گیا اور بے گنتی
پاپوشیں اوپر سے مزید براں ہوئیں۔ کہئے کیا سمجھے۔ باقی پھر کبھی فرصت میں لکھینگے
ابتو میرٹھ کی نوچندی کا شوق وہ چند ہو رہا ہے ●

راقم شیر افگن دہلوی

خط کا جواب

واہ صاحب واہ کیوں نہیں۔ سارے زمانہ کی قفلیاں چاٹ گئے۔
اور انکا خمار بھی ہلکا ہو گیا۔ تو دوسری چیز کا نمبر آیا۔ سارے شہر کی
تھالیوں کا گوشہ کھا گئے۔ جب جیب نہ سکا تو جیبوں میں بھرا۔ مگر یہ
قفلیاں نہیں تھیں۔ کہ ہضم کر گئے۔ اسکا نام ہے گوٹا۔

اس نے اپنا اثر جمال گوٹہ کا سا دکھایا دن رات بدرو کا دلکش سین دکھایا
کبھی پھر پھر تو کبھی پڑ پڑ۔ تنگ تھے تو دہلی یاد آئی۔ لیکن اس نے الگ
تاثیر دکھائی۔ ٹھنڈا مغز کو جو چڑھی تو جوشاندہ یاد آیا۔ زکام ناک کے رستے بہا
نہ دال تر بتر ہوا۔ کھانے بیٹھے تو سالن کی رکیبی میں ناک کا لگدا موجود ہے
شدت اشتہا میں وہ بھی کھا گئے۔ اس نے اپنے لیس سے انتڑیوں کو
دبا دیا۔ بگاڑ آیا۔ حکیم صاحب کی خدمت فیضدرجت میں پہونچے عطاروں
نے نسخے دیے پیٹ میں درد ہوا تو ہم یاد آئے۔ جناب یہ قفلیاں نہ تھیں
کہ نرم چیز چاٹکر نگل گئے۔ اسکا نام ہے گوٹہ۔ اسکے ہضم کرنے کو ہمسا جیسا
سخت پیٹ چاہئے۔ اور سچ ہے جو کوئی پرائی چیز پر یا حسین کرتا ہے اسکا
آخر نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ اب جیسا کیا ویسا بھگتو۔ اور جواب بھی آپنے
کیا خوب لکھا ہے کہ جسکا سر نہ پیر۔ اخیر کاتب الحروف طفل مکتب ہے
کوئی ہم سے سیکھ جائے طرزہ تحریر کو۔

جواب خط کیا آیا وبال جان آیا۔ کیا لکھوں کیا تحریر کروں۔ کوئی مضمون
سمجھ میں نہیں آتا ؎

دریائے فکر میں غوطہ لگایا
دریائے علم جوش میں آیا

مضمون کچھ نہ پایا۔ بحر بیکراں میں ڈبکی لگائی۔ دوات ہاتھ میں آئی۔
قلم نہ تھا جو مضمون لکھتا۔ پھر سیل فنا میں کودا۔ دریائے سیج کی آب رواں
دیکھی۔ انگریزی قلم مع سیاہی کے نکلی۔ اور سیدھی امیر جان ٹونی والی کے
بالاخانہ پر پہونچی۔ جواہر کی کان سفید سچے موتیوں کی جھیل۔ اچھا خوشرنگ
گال گلابی رخسار ہے۔ کتابی چہرہ چاہنے والوں کی جان۔ عمر کا چالیسواں
حصہ۔ ہرن کی سی آنکھیں۔ پتلیوں کا کالا پانی سمجھئے اور جھٹ کود پڑیئے
بڑے بڑے طلسم دیکھے۔ ہاتھی گھوڑے لنگر کے لوٹے۔ ڈر لگا بھاگے ٹھوکر
لگی گر پڑے۔ بیہوش ہو گئے۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں دولیری جان
مسند نشین ہیں۔ چاندی کی کلی سامنے رکھی ہے۔ ایک طرف طبلہ کھڑک
رہا ہے۔ دوسری طرف ستار بج رہا ہے۔ تیسری کی ٹن ٹن نے جان غضب
میں دے رکھی ہے۔ دولیری جان شرما شرما کر گا رہی ہیں ؎

نگاہ یار ہو ستی میں بھی ہوشیار کیسی ہو

اُستاد جی کو غصہ آیا۔ سارنگی کا گز پھرا کر دیا۔ یاروں کے آنسو نکل پڑے
میں گھبرا گئے اور دُم دبا کے لومڑی کی طرح بھاگا۔ اور بی طلا بازان سے
کوٹھے پر پہونچا۔ کچھ شوقین تشریف رکھتے تھے۔ اور گانے کی تعریف
ہو رہی تھی۔ اور سنگے کی تعریف کا تو کچھ حال نہ پوچھو۔ آواز سے دو معلوم
ہوتا ہے۔ بھاگو اور کہیں اور چلو دیکھو کیا مزا آتا ہے۔ میاں یہ تو بتاؤ
کہاں جاؤگے۔ میاں جاینگے کہاں یہی چاوڑی بازار سے تیور خاں کی بچہ
تک رات کے بارہ بجے تک زمین کا گز ہٹہ پھرتے ہیں۔ اچھا تو بندہ رخصت

راقم خواہ مخواہ دہلوی از حیدرآباد سندھ

کیا قوی ہے یہ دلیل اُسکی پری زادی کی
ربط انسان سے کرتا جو وہ انساں ہوتا

تو بھی تاج الملوک صاحب بحساب آواگون صدہا ہزار برس بعد جسم خاکی میں لیکر سہارنپور سے دیوبند کے مدرسہ میں ماموں کے ساتھ سبق پڑھنے آئے۔ دیوبند کے دیو نے جو پہلی منزل بکاولی میں ملا تھا۔ جسکی رہبری سے مالہ تک پہونچا تھا اُس غبارہ باز پری زاد نے مدرسہ سے دھر گھسیٹا اور یہاں کر ایک لق و دق میدان میں جہاں بالکل ہو حق بھی نہ تھا۔ سن سان انسان حیوان کا کام نہ تھا لیکن زر جواہر موتی مونگا ہیرا اپنا قرینہ سے چنا اور سجا تھا لا بٹھایا یہ آدمی زاد تاج الملوک جو پرماتما کی کرپا سے جولا چھوڑ آواگون کے چکر میں آ ہیری پھیری لگا کبھی چیونٹی بنا کبھی ہاتھی کبھی ہرن کی چوکڑی بھری اور کبھی چڑا بن پھر پھر اُڑان کی لی۔ اور کبھی چمگادڑ بن اُلٹا لٹکا اور کبھی گھگھو کا ورن لے جنگل جگایا یا بلبل کی جون ماہ جون میں بدل کر گل گلزار میں آشیاں لگایا زمانہ کو یہ کہکر سنایا ؎

جور گلچیں عشق گل خوف خزاں ایذائے خار
لاکھ آفت میں پھنسی ہے ایک جان عندلیب

کبھی حشرات الارض کے قالب میں آیا راجہ باسک کہہ دیا۔ کہیں کالا ناگ بنکر بیری کو ڈسا کبھی بچھوا۔ بیر بہوٹی خون کی بوٹی میں مجون باہ بلا اجبار اکراہ بنکر خوب کودا اُچھلا کبھی کراہ کراہ پتنگا بنکر شمع پر مچ مچ کے جل مرا آتش خجلت سے سینہ کباب ہوا یہ خود سنگ سنگ کر آتشی ملک میں سمندر بنا اُس میں سے نکلا تو پتھر کا کیڑا ہوا۔ پھر تو باد صحرا کے جھوکوں سے ریگ ماہی کے قالب میں آیا سیل فنا نے یہاں بھی فنا کی مہیج میں غرق کر دریائے محبت میں غوطہ جو دیا اُبھرا تو گھڑی میں گھڑیال ہو مگر مچھ سے مچھلا بن ایسا مچلا گرداب چکر سے نکل اندر راجہ کے اکھیا سے بعد کروڑوں سال گذرنے کے انسانی قالب سہارنپور میں ماموں کو ساتھ لے دیوبند میں آیا۔ پری حاضر ہو طالب وصل ہوئی۔ یہ تو پہلے کا سماں دیکھ چکا تھا۔ ڈرا کہ اگر پھر خلط ملط کی ٹھہرے گی تو پھر وہی پچھلے پن سے ایڑیاں رگڑنی ہونگی۔ اب پری زاد تو اس میں ہے کہ پھر بغل میں دبوچوں۔ اسکا یہ کہنا ہے کہ تیرا منہ نوچوں اب تو ست جگ پورا ہوا آواگون سے کیوں انکار ہے۔ دم بھر میں بیڑا پار ہے۔ ماموں بھانجے دیوبند چھوڑ رامپور میں پہونچے۔ کہ رام کی کرپا سے پری سے نجات ہو

پری وری سے پرے رہے۔ جان بچی لاکھوں پائے +

راقم نظم بار از لشکر گوالیار

نوٹ۔ کیا حضرت یہ نہیں سنا کہ رامپور سے بھی وہ صبح سے پہلے اُس کو اُٹھا لے گئی ماموں چیختے چلاتے پچھاڑیں کھا رہے ہیں + قبیح ایڈیٹر

بقیہ ہفتہ سابقہ

برس تیرہ یا کوئی چودہ کا سن + جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

آسمانی رنگ کی ساڑھی پہنے سب سے کنارے بیٹھی ہے۔ جسے آہ اسکو دیکھتے ہی میرا تو دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ہائے یہ نرم نرم روشن گال آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے صباحت و ملاحت کی کان۔ یہ پیارے پیارے ننھے ننھے ہاتھ چھوٹی چھوٹی حنا بستہ اُنگلیاں۔ یہ رسیلی بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں۔ یہ خم ابرو تلوار نما بھویں واحد اسکا ایک اشارہ ہمارے لئے تلوار کا وار ہے۔ یہ پیشانی شق القمر کی نشانی۔ ہائے یہ کالی کالی زلفیں شب ہجر کی یاد دلا کر ڈرانیوالی۔ اپنے غموں میں دلوں کو پھنسانیوالی۔ یہ لب رشک مرجاں۔ گلاب کے پھول۔ باریک باریک لب چھوٹے چھوٹے چمکتے ہوئے موتی کی طرح دانت دفعۃً جو کبھی ہنسنے میں کھل پڑتے ہیں تو صاعقہ کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ وہ سیب زنخداں جسکی چاہ میں یوسف کی طرح ہزاروں کوئیں جھانکنے پڑتے ہیں۔ میرے دل کو بھاگئے۔ دیکھتے ہی دل لٹو ہو گیا۔ پھر آپ جانیئے کہ مجھ سے چلبلے آدمی ایسے اچھے موقع پر کب چوکنے والے ہیں۔ دیر ہی کس بات کی تھی۔ پس خود اُسے بھی دو چار منٹ پہلے اور سے بھی پانچ چھ سکنڈ پیشتر ہی ایک پھڑکتی ہوئی غزل بیدل دھر گھسیٹی۔ لگے ہاتھوں آپ بھی سنئے اور اپنے پیارے منچلے ناظرین بانکین کو بھی دکھلائیے۔ گرچہ یوں نہیں پہلے آپ ہماری طبع سخندان سلمہ الرحمن کی ادھڑے ادھلے لیجئے سنئے۔ دھو پڑا

کیا اچھی آ لگی ہے یہ آسمانی ساری + کیا زیب دے رہی ہے یہ آسمانی ساری
پہنے گا اسکو کوئی گلگوں بدن مقرر + پھولوں میں بس رہی ہے یہ آسمانی ساری
زر کے ہیں کام اسپر تاروں کی طرح تاباں + اور آسماں پری ہے یہ آسمانی ساری
اسکو اتار ڈالو پہنو گلابی ساری + اب میلی ہو گئی ہے یہ آسمانی ساری
کس گلبدن کا اس میں ہے بس گیا پسینا + خوشبو مہک رہی ہے یہ آسمانی ساری
اسکو نہ پھر پہنکر ہرگز تو اب زمیں پر + ایجان جاں تیری ہے یہ آسمانی ساری
کیوں آپ جد امجد شوہر میں ہو رہے ہے کیا + بیوی کی آ لگی ہے یہ آسمانی ساری

راقم حضرت جد امجد ظریف العصر پھلواروی